۱۸۵۷ء سے پہلے کی دہلی

علماء و مشائخ کا اجتماع

(۲)

از جناب پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی - ایم - اے

میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب | میاں نصیر الدین عرف میاں کالے صاحبؒ مولانا قطب شاہؒ کے بیٹے اور شاہ فخر الدین صاحبؒ کے پوتے تھے۔ دلی میں عوام و خواص سب اُن کا ادب و احترام کرتے تھے۔ امیر و غریب سب کو اُن سے عقیدت و ارادت تھی۔ سرسید نے لکھا ہے۔

"اس زمانہ میں ایسا نامی گرامی شیخ نہیں ہے۔ حضور والا اور تمام سلاطین و جمیع امراء عظام آپ کے نہایت معتقد ہیں" [۱]

ان کا اخلاق نہایت اعلیٰ اور وسیع تھا۔ اس لئے وہ بے حد مقبول بھی تھے۔ دلی کے چھوٹے بڑے سب اُن سے ملتے تھے اور اِن کے خلوص و محبت کے گرویدہ تھے غالب کو ان سے خاص لگاؤ اور انس تھا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"میں کالے صاحب کے مکان سے اُٹھ آیا ہوں۔ بلی ماروں کے محلہ میں ایک حویلی کرایہ کو لیکر اس میں رہتا ہوں۔ وہاں کا میرا رہنا تخفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا بلکہ

[۱] شجرۃ الانوار (قلمی نسخہ) آخری صفحہ

کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا۔" [۵۱]

بہادر شاہ ظفر کو کالے صاحب سے خاص عقیدت تھی۔ اکثر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ شاہ صاحب خود بھی بادشاہ کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ بمبئی کے احسن الاخبار اور دلی کے سراج الاخبار[۵۲] کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپس میں کس قدر گہرے تعلقات تھے۔ یکم فروری ۱۸۴۵ء کی خبر ہے۔

"اہل دربار رخصت ہوئے تو زبدۃ الواصلین قدوۃ السالکین حضرت شاہ غلام نصیر الدین، (عرف میاں کالے صاحب) ملاقات کے لئے تشریف لے آئے معرفت وحقایق کے دفتر کھلے۔" [۵۳]

جب شاہی خاندان میں کسی کو تعویذ وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو کالے صاحب سے رجوع کیا جاتا۔ ۳۱ جولائی ۱۸۴۶ء کی اطلاع ہے۔

"نواب تاج محل بیگم صاحبہ کو آثارِ حمل ظاہر ہوئے اس لئے میاں کالے صاحب پیرزادہ حفاظتِ حمل کا تعویذ دینے کی غرض سے قلعۂ معلی میں تشریف لے گئے۔" [۵۴]

بہادر شاہ پر کالے صاحب کا اتنا اثر تھا کہ اُن کی سفارش سے جو فقیر بارگاہ سلطانی میں باریاب ہوتے تھے اُن پر خاص خسروانہ التفات و اکرام کا اظہار ہوتا تھا، ۷ جولائی ۱۸۴۶ء کی خبر مظہر ہے۔

"جو درویش حضرت میاں کالے صاحب کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہنچا . . .

---

[۵۱] اردوئے معلی۔ حصہ دوم ص ۱۷

[۵۲] ان دونوں اخبارات کے ترجمے خواجہ حسن نظامی صاحب نے "بہادر شاہ کا روزنامچہ" کے عنوان سے شائع کئے ہیں۔ یہ روزنامچہ بہت اہم تاریخی معلومات سے بھرا ہوا ہے جس سے اس زمانہ کے سیاسی اور سماجی حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

[۵۳] "بہادر شاہ کا روزنامچہ" مرتبہ خواجہ حسن نظامی (مطبوعہ دہلی) ص ۵۔ [۵۴] ایضاً ص ۶

حضرت بادشاہ سلامت نے اُسے دو اشرفیاں عنایت کی اور بہایت عزت واحترام سے رخصت کیا۔" [1]

شاہی خاندان کی بیگمات اور دیگر افراد بھی شاہ صاحب کی سفارش کے ذریعہ اپنے وظیفہ میں اضافہ کرواتے تھے۔ ۲۴ ستمبر ۱۸۴۶ء کی خبر ہے۔

"حضرت شاہ نصیر الدین عرف کالے میاں صاحب کے صحیفہ کے جواب میں بادشاہ سلامت خلد اللہ ملکہ نے تحریر فرمایا کہ عدم گنجائش کی وجہ سے نواب مستغنی بیگم کا کوئی جدید وظیفہ جاری نہ ہوسکا۔" [2]

بہادر شاہ کے روزنامچہ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کالے صاحب کا بادشاہ کی جانب سے کچھ وظیفہ مقرر تھا۔ یہ چیز خواجگان چشت کے مسلک کے منافی تھی۔ اس سلسلہ کے بزرگوں نے انتہائی عسرت اور تنگی کے باوجود بھی کسی بادشاہ یا امیر سے کوئی وظیفہ یا جاگیر قبول نہیں فرمائی۔ ۳۰ ستمبر ۱۸۴۶ء کی خبر ہے۔

"موضع شمع پور باولی کی آمدنی میں سے مبلغ پانچسو روپیہ حضرت شاہ غلام نصیر الدین صاحب عرف کالے صاحب کو مرحمت فرمائے اور ارشاد کیا کہ اس آمدنی میں سے ہمیشہ پانچ سو روپیہ انشاء اللہ قبل از طلب حاضر خدمت ہوجایا کریں گے۔ عرض کیا گیا کہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ایک ہزار پانچ سو روپیہ من جملہ چار ہزار روپیہ سالانہ کے بھیجے گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے یہ روپیہ واپس کرکے فرمایا کہ تمام روپیہ یکمشت آنا چاہئے۔ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کرکے نہ آنا چاہئے۔" [3]

پھر ایک دوسری اطلاع ہے۔

---

[1] بہادر شاہ کا روزنامچہ۔ ص ۷۹۔ [2] ایضاً ص ۸۶۔ [3] ایضاً ص ۹۲۔

"حکیم احسن خاں بہادر سے ارشاد ہوا کہ پیرزادہ حضرت شاہ غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب کو نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی معرفت چار ہزار روپیہ بھیجدیا جائے۔" [1]

بادشاہ، تقاریب وغیرہ کے موقعوں پر کالے صاحب کو خرچ دیتے تھے۔ ۲۰ اپریل ۱۸۴۷ء کی اطلاع ہے۔

"کار پردازان خلافت کو حکم دیا گیا کہ حضرت میاں کالے صاحب نبیرہ حضرت مولانا فخر الدینؒ کی صاحبزادی کی شادی ہے۔ دس ہزار روپے ان کے خرچ کے لئے عطا کئے جائیں۔" [2]

دو مہینے ابھی نہیں گزرنے پائے کہ پھر ایک شادی میں روپے بھیجے جاتے ہیں۔ ۴ جون ۱۸۴۷ء کی اطلاع ہے

"محبوب علی خاں خواجہ سرا سے فرمایا کہ ہمیں فی الحال میاں کالے صاحب کے صاحبزادے کی شادی کے لئے چار ہزار روپے کی۔ ۔ ۔ ضرورت ہے۔" [3]

حضرت کالے صاحب کا بادشاہ سے یہ میل جول، چشتیہ سلسلہ کی روایات کے بالکل برعکس تھا۔ بزرگانِ چشت نے کبھی اس قسم کے تعلقات اور جاگیرداری کو روا نہیں رکھا۔ اُن کا یقین تھا کہ اس طرح سے نہ صرف تملق اور درباداری کی عادتیں پرورش پاتی ہیں بلکہ روحانی ترقی میں سخت رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ انفاس العارفین میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔

"در بعض ملفوظات خواجگان چشتیہ مذکور است کہ ہر کہ نام او در دیوان بادشاہ نوشتہ شد نام او از دیوان حق سبحانہ بر می آرند" [4]

---

[1] روزنامچہ ص ۱۰۷ [2] ایضاً ص ۱۳۴ [3] ایضاً ص ۱۵۲۔

[4] انفاس العارفین۔ شاہ ولی اللہؒ۔ (مطبوعہ دلی) ص ۶۹۔

خواجہ نصیر | خواجہ نصیرؒ (۱۱۸۹-۱۲۶۱) خواجہ میر درد کے نواسے تھے۔ خواجہ درد (۱۱۹۰-۱۱۳۱) بڑے زبردست صوفی اور شاعر تھے۔ انھوں نے "اسرار الصلوۃ" "واردات درد" "علم الکتاب"[1] وغیرہ کتابیں لکھی تھیں۔ خواجہ نصیرؒ کے متعلق سرسید نے لکھا ہے کہ بچپن ہی میں خواجہ درد سے بیعت کی تھی۔ اور جب سن دس سال کا ہوا تو خواجہ درد نے وفات پائی۔ سنین کے اعتبار سے یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ خواجہ نصیر کا سنہ پیدائش ۱۱۸۹ھ ہے اور خواجہ درد نے ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

خواجہ نصیرؒ ریاضیات اور موسیقی کے ماہر تھے حساب میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا[2]۔

خواجہ نصیرؒ نے باطنی کمالات خواجہ دردؒ کے چھوٹے بھائی میر اثرؒ سے حاصل کئے تھے میر اثر بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ تذکرہ میر حسن میں اُن کے متعلق لکھا ہے۔

"درویشے است موقر صاحب سخن است موثر عالم و فاضل مرتبہ قدرش بغایت بلند و گوہر صدرش نہایت ارجمند در خدمت برادر بزرگوار خود گوشہ نشینی اختیار کردہ و قدم بر جادۂ بزرگان خود نہادہ بسر می برد"

ایسے بزرگ کے فیضِ صحبت سے خواجہ نصیر نے فائدہ اٹھایا تھا، ان کے وصال کے بعد وہ خود ہی اُن کے سجادہ پر متمکن ہوئے۔

خواجہ درد کا سلسلہ بالکل نیا تھا، اُن کے والد خواجہ میر محمد ناصر عندلیب (المتوفی ۱۱۷۲ھ) خواجہ بہاء الدین نقشبند کے سلسلہ سے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں مغل فوج میں ملازم تھے۔ یکایک انھوں نے فوج کی ملازمت چھوڑ دی تھی اور گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور ایک نیا سلسلہ "طریقہ محمدی" جاری کیا تھا۔ اپنے خیالات کی تشریح میں "نالۂ عندلیب" کتاب لکھی اور اس

---

[1] "گل رعنا" میں سید عبدالحی صاحب (ص ۱۷۲) لکھتے ہیں "اگر ان کے فضل و کمال کا صحیح اندازہ کرنا چاہو تو علم الکتاب کا مطالعہ کرو" [2] [3] آثار الصنادید ص ۳۵ و ۳۶

سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے بیٹے میر درد کو داخل کیا۔ [۱]

خواجہ نصیرؒ نے سجادہ پر بیٹھ کر اس سلسلہ کو بڑی رونق بخشی۔ ان میں انتہائی استغنا اور دنیا سے بے تعلقی کا جذبہ تھا۔ قدرت کی طرف سے نہایت صابر و شاکر طبیعت ودیعت کی گئی تھی۔ طبیعت میں سوز و گداز بہت تھا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے تھے رنج تخلص فرماتے تھے سرسید نے اُن کے چند اشعار منتخب کئے ہیں۔ دو شعر ملاحظہ ہوں

؎ خط دیکھ کر اِدھر تو میرا دم اولٹ گیا
قاصد اودھر بدیدۂ پرنم اُلٹ گیا

؎ کھڑکی نکال جانبِ دشمن نہ بام پر
کوٹھے چڑھی جو بات کھلی خاص و عام پر

مولانا یوسف علی صاحبؒ | مولوی یوسف علی صاحب، خواجہ نصیرؒ کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے ان کا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ ان کی صحبت میں ایسی دل کشی تھی کہ سینکڑوں آدمی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ان کے زمانہ میں خواجہ درد کے سلسلہ کو بہت فروغ ہوا۔

شاہ غیاث الدین صاحبؒ | شاہ غیاث الدین صاحب چشتیہ سلسلہ کے بزرگ تھے اور خواجہ کہاری کہہ کر مشہور تھے [۲] خواجہ مردود چشتی سے آپ کا سلسلہ نسب ملتا ہے۔ آپ اخلاق محمدی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ دن رات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کے رشد و ہدایت سے سینکڑوں نے استفادہ کیا۔ سرسید نے لکھا ہے "مریدانِ باخلاص کو آپ کی ذات بابرکات ارشاد راہِ ہدایت اور رہبری سبیلِ سعادت ایسا ہوا کہ کم کسی سے متصور ہے" [۳]

---

[۱] "مجدد الف ثانی" کا نظریہ توحید از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ۳۳۔ ۳۲۔ (انگریزی)

[۲] آثار الصنادید ص ۳۸۔ [۳] ایضاً ص ۳۸۔

سنہ ۱۲۴۲ھ میں وصال فرمایا۔ مزار آپ کا ملتانی ڈھانڈہ میں ہے جو بستی قدم شریف اور پہاڑ گنج کے درمیان واقع ہے۔ [1]

شاہ صابر بخش صاحبؒ | شاہ صابر بخش صاحبؒ چشتیہ صابریہ سلسلہ کے بڑے برگزیدہ بزرگ تھے اُن کے والد شاہ نصیر الدین صاحب اپنے والد شاہ غلام سادات صاحب چشتی کی حیات میں وصال فرما گئے تھے اس لئے شاہ غلام سادات ؒ کے بعد آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔

شاہ سادات صاحب چشتی (المتوفی سنہ ۱۲۱۰ھ) بڑے ذی مرتبت بزرگ تھے۔ وہ شاہ محمد نصیر کے خلیفہ تھے جنھوں نے شیخ محمد چشتی سے خلافت حاصل کی تھی۔ موخر الذکر شیخ ابراہیم رامپوری کے عزیز مرید اور خلیفہ تھے۔ اس بنا پر شاہ صابر بخش جس سجادہ پر جلوہ افروز ہوئے وہ نہایت برگزیدہ بزرگوں کی مسند رہا تھا۔

شاہ صابر صاحبؒ عبادت وطاعت میں بے نظیر تھے۔ سخاوت اور غربا پروری کا جذبہ اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا مصنف انوار العاشقین نے لکھا ہے۔

"آپ کے زمانِ فیض نشان میں آپ کی خانقاہ میں بہت درویش اور طالب علم رہتے تھے۔ صدہا آدمیوں کو کھانا ملتا تھا اور بہت بزرگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا" [2]

سنہ ۱۲۳۷ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں آپ نے وصال فرمایا۔[3] اپنی خانقاہ میں جو روشن الدولہ کی سنہری مسجد قاضی واڑہ (فیض بازار) کے مقابل واقع تھی مدفون ہوئے۔ آپ کے مزار پر ایک کتبہ بہادر شاہ ثانی نے نصب کرایا۔[4] فیض بازار میں آپ کی خانقاہ مشہور ہے اور یہ مقام صابر بخش

---

[1] مزارات اولیائے دہلی۔ ص ۱۱۷

[2] انوار العاشقین، از مولانا مشتاق احمد صاحب مرحوم انبھٹوی ص ۹۳ (مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۳۲ھ)

[3] آثار الصنادید۔ ص ۴۵۔ [4] واقعات دارالحکومت دہلی ج ۲ ص ۱۳۳۔

کی باغیچی کہلاتا ہے[۱]۔ خانقاہ کے پاس ایک مسافر خانہ نواب میر محبوب علی خاں بہادر شاہ دکن کی جانب سے ۱۳۲۰ھ میں بنوایا گیا تھا۔[۲]

میر محمدی صاحبؒ | میر محمدیؒ (المتوفی ۱۲۴۲ھ) حضرت شاہ فخر الدین صاحبؒ کے عزیز مرید اور خلیفہ تھے۔ مولوی بشیر الدین نے آپ کا اصلی نام مولانا امام الدین بتایا ہے[۳]۔ مصنف مزارات اولیاء دہلی نے آپ کا نام عماد الدین لکھا ہے[۴]۔ میر محمدیؒ سے شاہی خاندان کے افراد خصوصیت سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور ہر وقت ان کا جمگھٹا ان کی خانقاہ میں لگا رہتا تھا۔ ... شجرۃ الانوار میں لکھا ہے۔

"میر محمدی صاحب کہ یکے از خلفائے حضرت مولانا اند در ارشاد و رہنمائی عباد دریں شہر بخوبیہا مصروف اند و باوصاف حمائد موصوف بیشتر از اہل شہر و شہزادہا مرید میر صاحب اند کشف و کرامات آں سید پاک درمیان مریدان ایشان ہویدا است۔"

بہادر شاہ کے روزنامچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اور نہایت دھوم دھام سے بادشاہ کی سواری ان کی خانقاہ میں پہنچی تھی۔ لکھا ہے۔

"حضور بادشاہ ایک دن میر محمدی صاحبؒ کے گھر تشریف لے گئے۔ توپ خانہ انگریزی و بادشاہی سے حسب معمول سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔"[۵]

بہادر شاہ کی میر صاحب سے یہ عقیدت وصال کے بعد جاری رہی۔ وہ برابر ان کے عرس میں شرکت کرتا تھا۔ روزنامچہ میں لکھا ہے۔

---

۱ مزارات اولیائے دہلی ص ۱۳۱۔ ۲ واقعات دار الحکومت ج ۲ ص ۱۳۳۔
۳ واقعات ص ۱۵۴۔ ۴ مزارات ص ۱۲۸۔
۵ بہادر شاہ کا روزنامچہ ص ۳۰

بڑے ہونے کے دن حضرت میر محمدی صاحبؒ مرحوم کا عرس منعقد ہوتا ہے بادشاہ سلامت عرس میں شرکت کی غرض سے تشریف لے گئے، ختم میں شریک ہوئے اور تبرک لیکر واپس آئے۔[1]

شہزادے خاص طور سے آپ کے عقیدت مند تھے۔ اکثر آپ کے مرید تھے۔ مرزا سلیم خلف اکبر شاہ ثانی آپ کا مرید اور معتقد تھا[2]۔ مرزا خجستہ بخت نے وصال کے بعد میر صاحب کا جانشین ہونے کا دعویٰ کیا[3]۔ آپ نے ۱۲۴۲ھ کو وصال فرمایا۔ مرزا سلیم شاہزادے نے فرط عقیدت سے آپ کو اپنے مکان کے صحن میں ہی دفن کیا جو اب میر محمدی کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔[4] اور حبشی قبر کے متصل واقع ہے۔

مولانا محمد حیاتؒ مولانا محمد حیاتؒ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے دہلی چلے آئے تھے اور شاہ صابر بخش کی خانقاہ میں معقول و منقول کا درس دیا کرتے تھے۔ ان کے علمی تبحر اور زہد و تقدس کا بہت شہرہ تھا۔ دور دور سے طلبا تحصیلِ علم کے لئے ان کے مدرسہ میں آتے تھے۔ آپ کے طلبا اکثر نہایت اعلیٰ پائے کے عالم اور بلند مرتبہ فاضل ہوتے تھے۔ بعض تو ان میں یگانۂ عصر شمار ہوئے۔ خصوصاً حافظ عبدالرحمٰن گو نابینا تھے لیکن بقول سرسیدؒ کوئی علم عقلیہ اور نقلیہ ایسا نہیں کہ اس کو محققانہ نہ جانتے ہوں۔[5] ہیئت اور علم ہندسہ بے تکلف پڑھاتے تھے۔ جب مولانا حیاتؒ نے ایسے باکمال شاگرد پیدا کردے تو خود اصلاح باطن اور ذکر و اشغال کی طرف متوجہ ہوئے۔ پاک پٹن میں شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کے پاس گئے۔ ان سے بہت سے کمالات باطنی کا اکتساب کیا۔ کچھ عرصہ بعد شاہ جہاں آباد واپس آگئے۔ اس دوران میں شاہ صابر بخش صاحب

---

[1] روزنامچہ ص ۱۳
[2] واقعات دار الحکومت دہلی ج ۲ ص ۱۵۲ - [3] آثار الصنادید ص ۴۰
[4] واقعات دار الحکومت دہلی ج ۲ ص ۱۵۲ - [5] آثار الصنادید ص ۲۰

وصال فرما گئے۔ چنانچہ اب اُن کی خانقاہ میں مقیم ہونے کے بجائے قلعہ کے قریب ایک مسجد میں سکونت اختیار کرلی۔ آپ کی وہاں موجودگی سے مسجد بے حد آباد اور بارونق ہوگئی۔ سرسید نے لکھا ہے "ایسی آباد ہوگئی کہ اب اس کو باعتبار کثرت عبادات اور وفورِ طاعات خیر المساجد اور افضل المعابد کہنا چاہیے"۔ [1]

حضرت شاہ سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ سید احمد صاحبؒ اس زمانہ کے نہایت مشہور اور عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ اُن کے فیضانِ صحبت اور ارشاد و ہدایت سے ہزاروں نے استفادہ کیا۔ مولوی محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی توجہ کی تاثیر مثل ملکے سے سینے کے ہوتی ہے جس کی چھوٹی چھوٹی بوندیں ہوتی ہیں اور سید صاحب کی تاثیر مثل لوہاروں کی پھکنی کے اثر کرتی ہے جو فوارہ کی طرح قلب پر پڑتی ہے"۔ [2] حقیقت یہ ہے کہ ان کی تلقین وارشاد نے مجاہدوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کردی جس کے دل احیاءِ ملت کے لئے بے چین اور بے قرار رہتے تھے۔ سید صاحب کے متعلق اس زمانہ میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس لئے ان کے متعلق خود کچھ لکھنے کی بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک معاصر کی رائے نقل کردی جائے ۔۔۔

سرسید احمد خاں جنھوں نے سید صاحب کو خود دیکھا تھا، اور جنھوں نے اپنی کتاب آثار الصنادید اُن کی شہادت کے ۱۵ سال بعد لکھی تھی۔ آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"جناب ہدایت انتساب زبدہ واصلان درگاہ سید احمد صاحب طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ سادات عظام اور مشائخ کرام سے تھے۔ وطن آپ کا اصلی بریلی اوائل حال میں شوق طالب علمی میں وطن سے وارد شاہ جہاں آباد ہوکر حضرت بابرکت مولانا عبدالقادر علیہ الرحمہ کی خدمت سراسر افادت میں حاضر ہوکر مسجد اکبر آبادی میں فروکش ہوئے اور صرف ونحو

---

[1] آثار الصنادید۔ ص ۴۲ - [2] سوانح احمدی۔ مولوی جعفر تھانیسری (انبالہ) ص ۲۱

میں فی الجملہ سواد حاصل کیا۔ ازبسکہ ذوقِ درویشی اور مسکینی طینت میں پڑی ہوئی تھی۔ اکثر خدمت مسجد اور اس مقام کے واردوں خصوصا درویشان پاک طینت کی جو دور دراز سے تحصیل علمِ باطنی کے شوق میں جناب مولانا عبدالقادر صاحب مغفور موصوف کی خدمت میں حاضر رہتے خاطر داری اور سرانجام مہام میں ایسے بدل سرگرم ہوتے گویا اس امر کو اہم مہام سمجھے ہوئے تھے اور اس زمانہ میں بھی اپنے اوقات کو طاعات وعبادات میں ایسا مصروف کیا تھا کہ جو لوگ صرف اسی امر کے واسطے کنج نشین اور گوشہ گزیں تھے اُن سے بھی اس طرح خاطر مجموع اور حضورِ قلب سے ظہور میں نہ آتے تھے اکثر مولانائے مغفور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس بزرگ کے احوال سے آثار کمال ظاہر ہوتے ہیں۔ اور بادہ اُس سعادت منش کا ترقی مدارج علیا کا قابل نظر آتا ہے۔ اُسی أثنا میں سرگروہ علمائے انام بلغائے عظام جامع کمالات صوری ومعنوی خادم حدیث شریف نبوی مولانا وبالفضل اولانا مولوی شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمۃ سے بیعت کا ارادہ کیا۔ جب ان کی خدمت میں گئے مولانائے ممدوح نے جوان کے حالات سے واقف تھے فرمایا کہ اگرچہ حق جل وعلیٰ نے اس صاف باطن کو اختیار طریقہ رشد وہدایت کے باب میں واسطے کا محتاج نہیں رکھا اور وسیلہ کا نیاز مند نہیں کیا لیکن اہل ظاہر کے نزدیک ہر چیز کے لئے ایک سبب ضروری ہے۔ رفع حجت عوام کے واسطے کچھ مضائقہ نہیں۔ پھر آپنے مولانائے موصوف سے بیعت کی۔ بعد چند مدت کے سفر اختیار کیا۔ اور اطراف وجوانب میں خداشناساں پاک باطن سے فیض حاصل کرنے میں سرگرم رہے ازبس کہ مقاماتِ عالی روز بروز کھلتے جاتے تھے اور مراتب علیا آناً فاناً ترقی میں تھے۔ اس دولتِ بے زوال سے اہل ظاہر کو آگاہی ہو چلی اور

ہر طرف سے لوگوں نے ہجوم کیا اور کسی نے بیعت اور کسی نے روائے حاجات سے سوال کرنا شروع کیا۔ چونکہ اخفائے حال اور ستر احوال منظور تھا خیال میں یہ آیا کہ اگر اہلِ دنیا کے لباس سے ملبس ہو کر علم باطنی کی تحصیل کی جاوے تو یہ ہجوم عوام کا جمعیت اوقات میں خلل انداز نہ ہوگا۔ اس خیال سے ٹونک کی طرف تشریف لے گئے۔ اور نواب امیر خاں کی رفاقت میں بسر کی اور از بس کہ شجاعت اور جوانمردی سادات صحیح النسب کا جوہر ہے اُس اثنا میں تردداتِ عظیمہ آپ سے ظہور میں آئے اور با این ہمہ تلاش اہلِ باطن . . . . تھی۔ اور اکثروں کی ہدایت کی راہ بھی آپ سے حاصل ہوئی جب اس عرصہ میں جمیع مراتب کی تکمیل ہو گئی آپ ترک دنیا کر کے پھر شاہ جہاں آباد میں تشریف لائے اور مسجد اکبر آبادی میں وارد ہوئے۔ اس اثنا میں مولانا عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا تھا اور مولوی محمد اسمعیل رحمۃ اللہ علیہ مقام علوم رسمی کے درس و تدریس میں مصروف تھے اور اہلِ باطن کی طرف چنداں ملتفت نہ ہوتے تھے جب اس دفعہ آپ کے تشریف لانے سے مردم شہر میں ایک غلغلہ پڑ گیا تھا اور طالب فیض باطن کے کثرت سے ہجوم کرنے لگے۔ ایک بار مولوی صاحب نے باتفاق مولوی عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ کے آپ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ ہم کو نماز حضورِ قلب سے کبھی میسر نہ ہوئی۔ اگر آپ کی ہدایت سے یہ امر حاصل ہو جائے تو عین مدعا ہے۔ حضرت نے کشف باطن سے معلوم کیا کہ یہ بطریقِ امتحان اس طرح سے کہتے ہیں۔ تبسم کیا اور فرمایا کہ مولانا آج شب کو اس حجرہ میں تشریف لاؤ، شاید یہ بات ظہور میں آجائے۔ ان کو زیادہ استعجاب ہوا اور شب کو دونوں صاحب تشریف لے گئے۔ اور آپ نے اپنے ساتھ ان کو نماز میں کھڑا کیا۔ اور جب نماز پڑھ چکے فرمایا کہ اب جدا جدا نیت باندھ کر دو دو رکعت علیحدہ پڑھو۔ یہ جب

کھڑے ہوئے تو اس طرح کا استغراق ہوا کہ ان دونوں صاحبوں کی انہیں دو رکعت میں
شب بسر ہوگئی۔ جب یہ فیض باطن مشاہدہ کیا صبح کو دونوں صاحبوں نے بیعت کی۔ اور
یہاں تک آپ کی کفش برداری میں حاضر رہے کہ آپ کی کفش برداری کو فخر سمجھتے تھے۔
چندروز کے بعد آپ نے فرمایا کہ مولانا مشیت الہی میں یہ ہے کہ تم کو تکمیل اس علم کی
اور تتمیم ان مراتب کی سفر میں حاصل ہو۔ ان کو ہمراہ لیکر مکہ معظمہ کا سفر کیا اور راہ میں
قریب ایک ہزار آدمی کے اپنے ہمراہ لے کر حج ادا کیا اور وہاں سے پھر ہندوستان کی طرف
تشریف لائے اور آپ جو ترویج رسوم شرعیہ اور امر بالمعروف بہت کرتے منہیات کا
رواج اُن کی برکت سے اکثر اطراف سے اٹھ گیا۔ طرفہ یہ ہے کہ شہر کلکتہ میں جب
تک آپ نے تشریف رکھی شراب مطلق نہ بکنے پائی۔ اور کلال خانہ بند رہا۔ اور اس نواح
میں آپ کے مریدوں کی کثرت لکھوک سے گذرگئی۔ اور آپ کے اکثر خلفا کو قطب اور
اوتاد کا مرتبہ حاصل ہوا اور جو کہ از روئے کشف باطن کے معلوم ہوگیا تھا کہ آپ کو مع اکثر
مومنین پاک اعتقاد کے سعادتِ شہادت حاصل ہونے والی ہے۔ مولانا اسمٰعیلؒ اور
مولانا عبدالحی کو اجازت ہوئی کہ اطرافِ ہندوستان میں وعظ کہو اور بشیر جہاد اور فضیلتِ
شہادت بیان کرو ہر چند یہ اس کا منشا نہ جانتے تھے لیکن مرید باخلاص تھے اور فرمان
بجالائے۔ ان کے وعظ سے لکھوک مردم شاہراہِ ہدایت پر آئے اور شوق ما ہو الحق دل
میں جم گیا۔ اور جہاد کی افضلیت ذہنوں میں بیٹھ گئی اور خود بخود چاہنے لگے کہ اگر
جان و مال راہِ الٰہی میں صرف ہو تو عین سعادت ہے۔ بعد مدت کے ان بزرگوں کو
حضرت نے لکھا کہ اب ہمارے پاس چلے آؤ، یہ تو جان نثار تھے۔ بہ مجرد حکم کے مشتاقین
وعظ کو نیم جان چھوڑ کر خدمت بابرکت میں راہی ہوئے اور حضرت ان کو ہمراہ لے کر

کوہستان کو چلے گئے اور یہ ہنوز اس کے منشاسے واقف نہیں۔ . . . .

قوم افغان . . . حضرت کے ایسے معتقد ہوئے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی اور عہد کیا کہ اگر حضرت جہاد کریں تو ہم سر فروشی کو حاضر ہیں۔ آپ نے سکھوں کی قوم پر جہاد قائم کیا۔ مردم ہندوستان اس خبر کے سننے سے اطراف و جوانب سے راہی ہوئے اور اور سوائے قوم افاغنہ کے مردم ہندوستانی لاکھ آدمی کے قریب جمع ہوئے اور خطبہ آپ کے نام کا پڑھا گیا۔ دور دور امام ہو گیا۔ چند منزل عشر جو طریقہ اسلام میں ایک نوع خراج کی ہے آپ کے پاس آنے لگا۔ پشاور اور بعض مکان سکھ کی عمل داری سے نکل کر غازیانِ اسلام کے تصرف میں آگئے سکھوں کے باوجود اس شان و شوکتِ ظاہری کے آپ کا ایسا رعب دل میں بیٹھ گیا کہ کچھ ملک دینے پر راضی ہوئے۔ سچ ہے ع

ہیبت حق است ایں از خلق نیست

لیکن حضرت کو جو کہ ترویج اسلام منظور تھی قبول نہ کیا۔ کئی سال تک یہی سلسلہ یوں ہی چلا گیا اور مولوی مولانا عبدالحی علیہ الرحمہ نے بیماری بدنی سے سفر آخرت اختیار کیا۔ بعد اس کے چونکہ قوم افاغنہ بندۂ زر اور نہایت طامع ہیں سکھوں کے اغواسے آپ سے منحرف ہو گئے۔ اور عین معرکۂ جنگ میں آپ سے دغا کی۔ از بس کہ مشیت الٰہی میں دولتِ شہادت آپ کے نصیب میں تھی قریب بالاکوٹ کے حضرت نے معہ مولوی محمد اسمٰعیل اور اکثر مومنین صاف اعتقاد کے شہادت پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت کی شہادت کو چودہ پندرہ برس کا عرصہ گذرتا ہے۔“ [1]

---

[1] آثار الصنادید۔ ص ۴۷۔۴۳۔

شاہ فدا حسین صاحب | شاہ فدا حسین صاحبؒ کا اصلی نام خواجہ نجیب الدین تھا، وہ رسول شاہی سلسلہ کے بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ رسول شاہی سلسلہ، رسول شاہ سے شروع ہوتا ہے، وہ خاندان سہروردیہ سے متعلق تھے۔

شاہ فدا حسین صاحب نے بانی سلسلہ رسول شاہی کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ شاہ محمد حنیف سے بیعت کی تھی۔ اُن ہی سے تمام درسی کتابیں پڑھیں۔ جب تحصیل پوری ہوگئی تو مرشد کے حکم سے کل کتابیں کنویں میں ڈالدیں وہ خاص کر حقایق و معارف میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ فصوص الحکم، فتوحات مکیہ اور شیخ اکبرؒ کی دیگر تصانیف بہت خوبی سے پڑھاتے تھے۔ "مگر وضع یہ تھی کہ چار ابرو کا صفایا کئے، ایک غرقی باندھے اور سارے بدن پر بھبوت ملے بیٹھے رہتے تھے۔ جب حجرہ سے باہر نکلتے تو تہمد گھٹنوں تک لپیٹ لیتے اور سر پر ایک مثلث رومال باندھ لیتے تھے۔ ایک بار اکبر شاہ نے اُن کے پاس آنا چاہا مگر انھوں نے ملنے سے انکار کردیا" [1]

سرسید کہتے تھے کہ وہ نہایت خوش بیان اور خوش تقریر تھے۔ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو میری والدہ کو جو اُن کی بھتیجی تھیں [2] اپنے پاس بلا کر ایسی عمدہ تقریر کی کہ اب تک اس کا اثر میرے دل سے نہیں بھولا۔ دلی میں اُن کے دیکھنے والے اب تک موجود ہیں۔ وہ آخر عمر میں الور چلے گئے اور ۱۲۵۹ھ میں وہاں انتقال کیا اور وہیں رسول شاہیوں کے تکیہ میں جو چیلی باغ کہلاتا ہے اُن کا ڈھیر ہے" [3]

شاہ صاحب نہایت توکل اور عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ زمین پر سوتے اور اینٹ

---

[1] حیات جاوید ج ا ص ۲۰۔ [2] شاہ فدا حسین، سرسید کے نانا دبیر الدولہ خواجہ فرید الدین کے حقیقی بھائی تھے۔ (حیات جاوید ج ا ص ۲۰)۔ [3] حیات جاوید ج ا ص ۲۱۔

سرہانے رکھتے تھے[1]۔ اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ خاکساری طبیعت میں بہت تھی، ان کی ذات سے رسول شاہی سلسلہ کو بہت ترقی ہوئی۔ ہزاروں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ ان کے خلفاء تبت، سراندیپ، مشہد وغیرہ میں موجود تھے[2]۔ بعض تذکرہ نویسوں نے شاہ صاحب کے مذہبی خیالات پر اعتراض کئے ہیں اور لکھا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ان سے اس سلسلہ میں مناظرہ کیا تھا۔ حاجی امداداللہ صاحبؒ نے ان سب باتوں کی تردید کی ہے اور شاہ صاحب کو صاحب باطن بتایا ہے[3]۔

شاہ فدا حسین کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ مثنوی بن مدسراُن کی طبع زاد ہے جو آپ کے معتقدین نے جمع کی ہے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

مرا جز دیدن دیدار وجہ اللہ کارے نیست در دنیا
شفاعت را بجز ذات رسول اللہ یارے نیست در عقبیٰ

خویشتن را خود عیاں فرمودۂ — صورتے از جسم وجاں بنمودۂ
کل نفس واحد فرمودۂ — واحد فی کل نفس بودۂ
اگر بخلوت دل یک زمانہ بنشینی — درون کعبہ دل صورت خدا بینی
نسبت طاعت بخود عصیاں بود — نسبت عصیاں بخود عرفاں بود
عین ذات تو بود وحدت وجود — ایں صفات تو بود وحدت شہود
غیر وحدت نیست کثرت را وجود — غیر کثرت نیست وحدت را شہود[4]

---

[1] آثار الصنادید ص ۵۱ - [2] ایضاً ص ۵۱-۵۲ - [3] شمائم امدادیہ ص ۱۳۰

[4] آثار الصنادید ص ۵۲ - نیز واقعات دار الحکومت دہلی -

۱۸۵۷ء سے قبل کی علمی دنیا کا ذکر کرنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کا ذکر کرنا ہے اس خاندان نے علومِ دینیؒ کی وہ عظیم الشان خدمت کی ہے جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ مولانا نذیر احمد دہلویؒ نے اپنے ترجمہ القرآن کے شروع میں نہایت صحیح لکھا ہے: "انھوں (شاہ ولی اللہؒ) نے اور ان کے خاندان نے ہند میں اسلام کی قریب قریب ویسی ہی خدمتیں کیں جیسی عرب میں قرونِ اولی کے مسلمانوں نے یعنی اصحاب نے، تابعین نے اور تبع تابعین نے اور ائمہ مجتہدین نے کی تھیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام جتنا کچھ بھی ہے اور جیسا کچھ بھی ہے اسی خاندانِ عالی شان کا طفیل ہے ان بزرگوں نے اسلام کی اشاعت میں وہ کیا جو دینِ حق کا دلدادہ، قوم کا مصلح، ہمدرد و خیر خواہ کر سکتا ہے۔ دین کی کتابوں کے درس دیئے ترجمہ کئے۔ وعظ کہے۔ تصنیفیں کیں" [۱]

اس خاندان نے مذہب کا عظمت و وقار قائم کیا۔ عوام میں صحیح مذہبی جذبات پیدا کئے اور ان کو کتاب و حدیث سے روشناس کرایا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے فارسی میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ ان کے بیٹے شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن کریم کے اردو میں ترجمہ کئے۔ شاہ عبدالحیٔ (شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کے داماد) نے لغات القرآن لکھی، مولانا محمد اسحٰق (شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسہ) نے مشکوٰۃ کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ غرض اس طرح سے علومِ دینی کو پھیلایا گیا۔ اور عوام میں کتاب و حدیث سے استفادہ حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کی گئی۔ شاہ عبدالعزیزؒ صاحبؒ نقلی علوم کے ماہر تھے۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ عقلی مسائل کی تحقیق میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، کشفی معاملات میں شاہ عبدالقادر صاحب ممتاز تھے۔ ان تینوں صلاحیتوں نے مل کر ایک طوفانی دور میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی کی۔

---

[۱] مقدمہ۔ ص ۴

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ | حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے فرزند شاہ عبدالعزیز صاحب (۱۱۵۹-۱۲۳۹) اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ متبحر عالم تھے علم وفضل میں وہ وحید عصر اور یکتائے زمانہ تھے۔ "فقر و دین، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل[1] سب خوبیاں ان کی ذات میں جمع تھیں۔ وہ علمی دنیا کے آفتاب تھے جس سنگریزہ پر شعاعیں پڑجاتیں وہ لعل ناب بن کر چمکتا۔ حدیث وقرآن کا جو چرچا ان کے زمانہ میں ہوا اس کی مثال اسلامی ہند کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان کے خرمن کمال کے ہزاروں خوشہ چیں تھے جو ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے تھے۔ ایک عالم نے سارے ہندوستان کی سیاحت کی اور اُسے علم حدیث کا کوئی بھی ایسا استاد نہ ملا جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا شاگرد نہ ہو۔"[2]

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جس وقت وصال فرمایا تھا اس وقت شاہ عبدالعزیز صاحب کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے مکمل ۶۰ سال تک دلی میں علوم دینیہ کی ترویج وتبلیغ میں صرف کئے۔ آج ہندوستان میں مسلمانوں کے جتنے بھی مذہبی مدارس ہیں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر شاہ صاحب ہی کی کوشش کے مرہونِ منت ہیں اور ان ہی کی روشن کی ہوئی شمع سے روشنی حاصل کر رہے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ اور علم کا ایک معیار قائم کیا کہ ہر کس وناکس علوم دینیہ میں بے جا دخل دینے کی (جیسا کہ انحطاط کے زمانہ میں اکثر ہوتا ہے) جرأت نہ کرسکتا تھا۔ سرسید لکھتے ہیں۔

"یہ آفت جو اس جزو زمان میں تمام دیار ہندوستان خصوصاً شاہ جہاں آباد حرسہا اللہ

---

[1] مومن نے شاہ صاحب کے وصال پر ایک مرثیہ لکھا تھا اس کا شعر ہے ؎

دست بے دادِ اجل سے بے سر و پا ہوگئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

[2] "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" مولانا سندھی، ص ۸۲

عن الشر والفساد میں مثل ہوائے وبائی کے عام ہوگئی ہے کہ ہر عامی اپنے تئیں عالم اور ہر جاہل آپ کو فاضل سمجھتا ہے اور فقط اسی پر کہ چند رسالہ مسائل دینی اور ترجمہ قرآن مجید کو اور وہ بھی زبان اردو میں کسی نے استاد سے اور کسی نے اپنی زور طبیعت سے پڑھ لیا ہے اپنے تئیں فقیہ و مفسر سمجھ کر مسائل و وعظ گوئی میں جرأت کر بیٹھا ہے آپ کے ایام حیات تک اس کا اثر نہ تھا بلکہ علما متبحر . . . جب تک اپنا سمجھا ہوا حضرت کی خدمت میں عرض نہ کر لیتے تھے اس کے اظہار میں لب کو وا نہ کرتے تھے۔[1]

اس طرح علوم دینیہ کی ایک خاص عزت اور وقار قائم ہو گیا۔ جو لوگ دلچسپی رکھتے تھے وہ باقاعدہ تحصیلِ علوم کرتے تھے۔ ہر جاہل کو بے سروپا اور گمراہ کن باتیں پھیلانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے علمی فیوض سے سارا ہندوستان مستفیض ہوا۔ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کا خیال تھا کہ "شاہ ولی اللہؒ کے خواص سے اگر دس آدمیوں نے استفادہ کیا تو شاہ عبدالعزیزؒ کے خواص سے دس ہزار مستفید ہوئے"[2] شاہ صاحب ہفتہ میں دو بار مجلس وعظ کیا کرتے تھے۔ ان مجلسوں میں خواص و عوام مور و ملخ سے زیادہ جمع ہوتے تھے[3]۔ شاہ صاحب کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ شدید علالت کے زمانہ میں بھی پابندی سے وعظ فرماتے تھے۔ ان کا طرز بیان بڑا دلکش تھا۔ بات مختصر لیکن دل میں اتر جانے والی کہتے تھے۔ اُن کے ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے دل میں مذہب سے متعلق بہت سے شبہات پیدا ہو رہے تھے اور یہ شاہ صاحب ہی کا تبحر اور قابلیت تھی کہ ان کو مطمئن کر دیتے تھے۔ ایک

---

[1] آثار الصنادید۔ ص ۷۰   [2] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ مولانا سندھی۔ ص ۹۴

[3] آثار الصنادید ص ۷۱

انحطاط پذیر سوسائٹی میں عوام کے "مذہبی ذہن و شعور" کو انتشار سے بچا لینا شاہ صاحب کا بڑا عظیم الشان کارنامہ ہے وہ عوام کی نفسیات سے واقف تھے۔ مذہب کی روح سے واقف تھے مرض کی تشخیص کر چکے تھے، اس لئے علاج ہمیشہ کارگر ہوتا تھا۔ سائل ہمیشہ مطمئن ہو جاتا تھا اور اس کے شبہات دور ہو جاتے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا "شریعت محمدی چرا اکمل شرائع باشد" جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وجہش آں است کہ در دیگر شرائع لحاظ خصوصیات استعداد امت خاص و زمان و مصلحت آں وقت بود کہ اگر خلاف آں کنند نقصان شود پس کامل بود و در ایں شریعت لحاظ مصلحت نوع انسانست پس تخصیص اوقات و استعداد امت خاص نہ باشد بلکہ برائے ہر امت از فرض و نوافل و سنت بہ تشدد و سہولت موجود است گویا معتدل تریں شرائع شد" [۱]

جواب مختصر تھا مگر اس قدر جامع کہ اس سے بہتر جواب ناممکن تھا۔ روح، معراج اور دیگر مسائل کے متعلق اُن سے سوال کئے جاتے تھے اور نہایت تشفی بخش جواب ملتا تھا[۲]

شاہ صاحبؒ نے جو خدمات اسلام کی انجام دی ہیں ان پر سیر حاصل بحث کرنے کے لئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔ یہاں اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ شاہ صاحبؒ کی مساعی کے چار پہلو تھے۔

(۱) علوم دینی، حدیث و قرآن کا چرچا کرنا اور ان کا صحیح معیار قائم کرنا۔

(۲) اس زمانہ کے مختلف غلط مذہبی نظریات کی تصحیح اور شبہات کا رفع کرنا اور مسلمانوں میں مذہبی حیثیت سے "ذہنی انتشار" پیدا نہ ہونے دینا۔

---

[۱] ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ۔ مطبوعہ میرٹھ ص ۷۰۔ [۲] ایضاً ص ۲۵، ۵۵ وغیرہ

(۳) ہندوستان کے عرب سے زیادہ قریبی تعلقات پیدا کرنا۔

(۴) ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر جہاد کی روح پھونکنا اور مجاہدین کی ایک سرفروش جماعت کا پیدا کرنا۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ | شاہ رفیع الدین صاحبؒ ابن شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اپنے زمانہ کے جلیل القدر عالم تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ چونکہ کبرسنی، ضعف مزاج اور کثرتِ امراض کے باعث آخر عمر میں درس و تدریس کا کام انجام نہیں دے سکتے تھے اس لئے شاہ رفیع الدین صاحبؒ اس خدمت پر مامور تھے۔ دور دور سے علماء آپ سے استفادہ حاصل کرنے کی غرض سے دلی آتے تھے۔ وہ ہر فن اور مضمون میں کامل مہارت رکھتے تھے جس فن کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے، ایسا معلوم ہوتا کہ یہ ہی آپ کا خاص مضمون ہے۔ ریاضیات میں بہت ماہر تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرمایا کرتے تھے

"مولوی رفیع الدین در ریاضیات چنداں ترقی کردہ اند کہ شاید موجد آں محمد علی ہم بودہ باشد باز" [۱]

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

درفن ریاضی مثل مولوی رفیع الدین در ہند و ولایت نخواہد بود۔ [۳]

آپ کی تصانیف میں مقدمۃ العلم، رسالہ عروض، کتاب التکمیل، رسالہ دفع الباطل، سار المحبۃ بہت مشہور ہیں۔ آپ نے اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ بھی کیا ہے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو آپ سے بہت محبت تھی۔ جامع ملفوظات نے مولانا رفیع الدین صاحبؒ

---

[۱] فتاوٰی عزیزیہ ج ۱ (مطبع مجتبائی ص ۱۷، ۱۸۵ - نیز ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۵۸۔
[۲] ملفوظات - ص ۳۰۔ [۳] ایضاً ص ۹۲

کے جنازے کی پوری کیفیت اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا باوجود نابینا ہونے کے چارپائی اٹھانے کی کوشش کرنا نہایت دردناک پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ [1]

شاہ عبدالقادر صاحبؒ | شاہ عبدالقادر صاحبؒ (۱۱۶۷-۱۲۳۰) اپنے خاندان کی علمی خصوصیات کے حامل تھے۔ خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے۔

"عالم، عامل، وفقیہ کامل بود، در علم حدیث و تفسیر شانے عظیم داشت" [2]

انتہائی پرہیزگار اور متقی تھے۔ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ توکل اور قناعت حد سے زیادہ تھی۔ امیر الروایات میں لکھا ہے: "شاہ عبدالقادرؒ کا کھانا اکبری مسجد میں روزانہ شاہ عبدالعزیزؒ ہی کے گھر سے جاتا تھا وہی اپنے متوکل بھائی کے کپڑے بنا دیتے تھے" [3]

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی ۱۲۰۵ھ میں صرف قرآن پاک کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ موضح القرآن کے نام سے کیا۔ یہ ترجمہ بقول مولوی نذیر احمد دہلوی "اردو کا بہتر سے بہتر ترجمہ سمجھا جاتا ہے" [4]

شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اور بیٹے تو عالم اور صلحا تھے لیکن شاہ عبدالقادر صاحب نسبت تھے اور صاحب نسبت بہت کم ہوتے ہیں [5]

آپ کا اخلاق نہایت عمدہ اور اعلیٰ تھا۔ کسی سے کچھ نہ فرماتے تھے لیکن رعب کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے رؤسا آپ کے سامنے لب کشائی کرتے ہوئے ڈرتے تھے [6]

---

[1] ملفوظات ص ۸۲-۸۳۔ [2] خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۲۸۹۔ [3] امیر الروایات میر شاہ خاں۔ ص ۱۰۵
[4] مقدمہ ترجمہ القرآن ص ۴۔ نیز مولانا سندھی مرحوم کا خیال ہے کہ "موضح القرآن" میں "آپ کے تشریحی ارشادات آج تک علمائے محققین کے لئے بصیرت افروز ہیں" شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۸۲۔
[5] ارشادات رحمانی و فضل یزدانی۔ مولوی عبدالاحد (مجتبائی پریس دہلی ۱۳۱۱ھ) ص ۳۰۔
[6] واقعات دارالحکومت دہلی ج ۲ ص ۵۸۹۔

مولوی رشیدالدین خاں | مولوی رشیدالدین خاں، شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے شاگرد رشید تھے۔ معقول و منقول، فروع و حدیث میں یگانہ عصر تھے۔ شاہ صاحبؒ نے ان کی تعلیم و تربیت بیٹے کی طرح کی تھی، ہر وقت ان کی اصلاح اور ترقی کی فکر اور کوشش رہتی تھی۔ شاہ رفیع الدینؒ کے بعد، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحب نے ان کی اصلاح اور تعلیمی ترقی کی طرف توجہ کی۔

مولوی رشیدالدین صاحب گو ہر فن میں دستگاہ رکھتے تھے لیکن علم ہیئت اور ہندسہ میں اُن کو خاص مہارت تھی اور اس زمانہ میں مشکل سے کوئی شخص ان فنون میں ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ مناظرہ اور مباحثہ میں جو ید طولیٰ اُن کو حاصل تھا وہ مشکل سے کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ علماء و فضلاء آپ کے تبحر کا لوہا مانتے تھے۔ فرقہ امامیہ سے اُن کے مباحث اُن کے علمی بلندی کا ثبوت ہیں۔

علم و فضل کے ساتھ ساتھ مولوی صاحب کا زہد و تقویٰ بھی مسلم تھا قناعت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عہدہ قضا پیش کیا گیا تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مدرسہ شاہجہاں آباد میں مدرسی کرتے رہے۔ سو روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ یہی گذر اوقات کا ذریعہ تھا۔ جو ضرورتمند پہنچ جاتا تھا اس کی حتی المقدور مدد کرتے تھے۔ ۱۲۴۹ھ میں تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

مولانا مخصوص اللہ صاحبؒ | مولانا مخصوص اللہ صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب کے فرزند ارجمند تھے علم و فضل میں اپنے گھرانے کی روایات کے حامل تھے ۲۵ سال تک وہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں رہے تھے۔ ان کی مجالس وعظ میں پابندی سے شرکت کی تھی اور اس طرح سے حدیث و تفسیر کا بے نظیر سرمایہ سینے میں رکھتے تھے۔ مدت تک انھوں نے درس و تدریس کا سلسلہ رکھا۔ آخر میں گوشہ نشین ہوگئے اور عبادت گذاری میں وقت صرف کرنے لگے۔

مولانا عبدالحیؒ | مولانا عبدالحی صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد اور داماد تھے۔ زہد و تقویٰ، علم و فضل سب ہی کچھ اللہ تعالیٰ نے انھیں عنایت کیا تھا۔ ہر فن کے ساتھ خداداد نسبت رکھتے تھے۔ ایک مدت تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر سید احمد شہیدؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرلی۔ اور پھر ہمیشہ اُن کے ساتھ رہے۔ اُن ہی کے ساتھ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے واپسی پر پیرو مرشد کے ارشاد کے مطابق وعظ گوئی میں مصروف ہو گئے۔ مولوی محمد اسمٰعیلؒ کے ساتھ ترغیب جہاد میں سرگرم رہے۔ پھر سید صاحب کے ساتھ سرحدی علاقوں میں تلقین و ترغیبِ جہاد شروع کی۔ ۱۲۴۳ھ کو مولانا عبدالحی صاحبؒ نے وصال فرمایا جب اُن کا آخری وقت ہوا تو سید صاحب نے اُن سے فرمایا کہ مولانا اگر آپ کی کوئی خواہش ہو تو میں اس کو پورا کردوں۔ آپ نے کہا آپ اپنا قدم بڑھا کر میرے سینے پر رکھیں۔ یہی ایک خواہش باقی ہے۔ سید صاحب نے تعمیل کردی۔ [۱]

شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ | شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تفہیماتِ الٰہیہ میں ایک جگہ اشارہ کیا تھا کہ "اگر موقع و محل کا اقتضا ہوتا تو میں جنگ کرکے عملاً اصلاح کرنے کی قابلیت اور صلاحیت رکھتا تھا"[۲] زمانہ کا یہ تقاضا نہ تھا اس لئے وہ خاموش ہو رہے کچھ عرصہ کے بعد حالات نے ایک مجاہد کو پکارا تو شاہ صاحبؒ کی یہ "صلاحیت" شاہ محمد اسمٰعیلؒ کی صورت میں نمودار ہوئی شاہ محمد اسمٰعیل، شاہ صاحب کے پوتے تھے اور "حضرات ثلثہ"[۳] کی صحبت اور تربیت سے انھوں نے وہ سب کچھ حاصل کرلیا تھا جو شاہ ولی اللہ صاحب کی تعلیم کا نچوڑ اور خلاصہ تھا۔

---

[۱] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۱۰۰۔ [۲] تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص ۱۰۱۔
[۳] آثار الصنادید (ص ۹۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحب کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

شاہ محمد اسمٰعیل صاحب ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے انھیں اپنے بیٹے کی طرح پالا۔ بقول سرسید کہ "جوہر قابل محتاج تربیت اور نیاز مند تعلیم نہیں ہوتا"[۱] آپ نے بہت جلد تمام علوم حاصل کرلئے۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں تحصیل معقول و منقول سے فراغت حاصل ہوگئی۔ اوائل حال ہی میں شاہ سید احمدؒ کے معتقد ہوگئے۔ پیر و مرشد کے ہمراہ حج کو چلے گئے۔ جب واپس آئے تو رشد و ہدایت کا دروازہ کھول دیا۔ اس زمانہ میں انھوں نے اپنی توجہ تین چیزوں کی طرف مبذول کی کہ ان کی نظر میں اسلام کی بقا کا راز صرف ان ہی میں تھا۔

(۱) اماتتِ بدعت۔

(۲) احیاءِ سنت۔

(۳) تلقینِ جہاد۔

جامع مسجد دہلی میں انھوں نے ہزاروں کے اجتماع میں وعظ کہے۔ سینکڑوں کو بدعت سے نکالا۔ سنت پر جمایا اور جہاد کے لئے تیار کیا۔ ان کی اس مسلسل کوشش نے عروقِ مردہ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ جب دلی میں کام ختم کرچکے تو پیر و مرشد نے بالاکوٹ بلالیا جہاں مرشد و مرید دونوں نے ناموسِ اسلام کی خاطر اپنے خون کے آخری قطرات بہادیئے۔

شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کے لئے اس مضمون میں گنجائش نہیں۔ انھوں نے احیاءِ ملت کے لئے وہ خدمات انجام دیں جو اسلامی ہند کی تاریخ میں سونے کے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں میں جو روح پھونک دی تھی اس کے مظاہرے ان کی شہادت کے بعد تک ہوتے رہے۔ سرسید کا بیان ہے۔

---

[۱] آثار الصنادید

"اس واقعہ کو (یعنی شہادت کو) چودہ پندرہ برس گزرتے ہیں اور چونکہ یہ طریقہ آخرالزماں میں بنیاد ڈالا ہوا ان حضرات کا ہے اب تک اس سنت کی پیروی عباداللہ نے ہاتھ سے نہیں دی۔ اور ہر سال مجاہدین اوطانِ مختلفہ سے بہ نیت جہاد اسی نواح کی طرف راہی ہوا کرتے ہیں۔ اور اس امر نیک کا ثواب آپ کی روح مطہر کو پہنچتا رہتا ہے۔" [۱]

مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ مولانا محمد اسحٰقؒ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نواسے تھے اور ان ہی کی خدمت میں علم حدیث حاصل کیا تھا بیس سال تک حدیث کا درس شاہ صاحبؒ کے سامنے بیٹھ کر نئے طلبا کو دیا۔[۲] اتباعِ سنت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علم و عمل دونوں عنایت فرمائے تھے۔ ۱۲۳۹ھ میں جب شاہ عبدالعزیزؒ نے وصال فرمایا تو اپنا مدرسہ مولانا اسحٰق صاحبؒ ہی کے سپرد کیا۔ اور وہی خلیفہ مقرر ہوئے۔ دہلی میں ان کی بڑی عزت اور احترام تھا۔ بادشاہ تک اُن کا احترام کرتا تھا۔ حاجی امداداللہ صاحب سے روایت ہے کہ مولانا عشرہ محرم کے دن بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے۔ بادشاہ سونے کے کپڑے پہنے ہوئے تھا، آستین سے بند کر لئے اور جب تک مولانا بیٹھے رہے مودب بیٹھا رہا۔[۳]

کچھ عرصہ بعد چند قبیلوں کے ساتھ حج کو چلے گئے اور پھر تشریف لا کر اپنے مواعظ ونصائح سے خلقِ خدا کو راہ ہدایت دکھانے لگے۔ دوسری بار پھر معہ قبائل حج کے لئے روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ میں ہی وطن اختیار کر لیا۔ ہندوستان سے جو لوگ حج کے لئے جاتے تھے وہ ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے اور وہ ان کی بڑی خاطر مدارات کرتے تھے۔ دلی سے جدا ہو کر ۲ سال تک مکہ معظمہ رہے ۱۲۶۲ھ میں وصال فرمایا۔

---

[۱] آثار الصنادید ص ۱۰۳۔ [۲] ایضاً ص ۱۰۴۔ [۳] شمائم امدادیہ ص ۱۳۰۔

مولانا محمد یعقوبؒ | مولانا محمد اسحاقؒ کے چھوٹے بھائی تھے، علم و فضل، قناعت و استغنا میں بے نظیر تھے۔ کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول نہ کرتے تھے۔ شاہ اسحٰق صاحبؒ کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں وطن اختیار کیا۔

نواب قطب الدین خاں | نواب قطب الدین خاں صاحب اپنے زمانہ کے متبحر عالم تھے فقہ وحدیث کی تعلیم حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب سے حاصل کی تھی۔ اتباعِ شریعت کا بے حد خیال رہتا تھا۔ وضع ولباس میں بالکل اپنے استاد کے مشابہ تھے[1] علم و فضل، زہد و ورع سب کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو عنایت کیا تھا۔ ان کے بزرگ دربار شاہی میں تقرب رکھتے تھے۔ خود اُن کو بارگاہِ سلطانی میں بڑا مرتبہ اور عزت حاصل تھی۔ ۶ر نومبر ۱۸۵۶ء کی خبر ہے۔

"نواب غلام محی الدین خاں بہادر کی تقریب ماتم میں اُن کے صاحبزادے مفخر الاسلام نواب محمد قطب الدین خاں بہادر کو خلعت شش پارچہ اور ان کے چھوٹے بھائی کو خلعت سہ پارچہ بادشاہ سلامت کی طرف سے عطا کیا گیا۔"[2]

نواب صاحب چوتھے دن اپنے استاد کی پیروی میں مجلسِ وعظ منعقد کرتے تھے، آپ نے بہت سے رسائل اردو میں لکھے ہیں۔ ان میں بعض نہایت اہم مسائل کو سمجھایا ہے۔ سرسید نے لکھا ہے "ان رسالوں سے خلق کو بہت فائدہ ہوا کہ ضروریاتِ دین سے ہر شخص مطلع اور آگاہ ہو گیا"[3] انھوں نے مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ "مظاہر الحق" کے نام سے اردو میں کیا۔ اس ترجمہ کی زبان بہت سلیس اور شستہ ہے۔ وہ ہمیشہ رواجِ دین اور تقویتِ شرع کے لئے ساعی رہتے تھے۔

مولانا مملوک علی صاحبؒ | مولانا مملوک علی صاحب دلی کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ معقول و منقول

---

[1] آثار الصنادید ص ۱۰۶۔ [2] بہادر شاہ کا روزنامچہ ص ۱۰۳۔ [3] آثار الصنادید ص ۱۰۷

میں استعداد کامل رکھتے تھے۔ فقہ پر خاص طور سے عبور تھا۔ وہ مولانا رشید الدین صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مولانا مرحوم کے بعد وہی مدرسہ شاہ جہاں آباد کی مدرسی پر مامور ہوئے آپ کے فیوض سے تمام ہندوستان نے استفادہ کیا۔ آپ کے شاگرد بڑے مرتبہ کے عالم ہوئے مولانا عاشق الٰہی صاحب مرحوم نے خوب لکھا ہے۔

"مولانا مملوک علی صاحب جنھوں نے درسیات کا اکثر حصہ ماہتاب ہند حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ کے ارشد تلامذہ حضرت مولانا رشید الدین خاں صاحب سے پڑھا تھا، فلک علم کے نیرین امام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی و قاسم الخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا محمد مظہر صاحب صدر المدرسین مظاہر العلوم جیسی مقدس و مشہور ہستیوں کے استاد تھے کہ ان سب حضرات نے علوم دینیہ و فنون ادبیہ کی پیاس اسی بحر زخار کے آب و دہن سے بجھائی اور ہر چہار جانب سے پریشان ہو کر اسی آستانہ پر شفا و تسکین پائی تھی"۔ [1]

مولانا کو درسیات وغیرہ کی کتابوں پر اس قدر عبور تھا کہ اکثر زبانی یاد تھیں۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ سرسید لکھتے ہیں۔

"اگر فرض کرو کہ ان تمام کتابوں سے گنجینۂ عالم خالی ہو جائے تو اُن کی لوح حافظہ سے پھر نقل اُن کی ممکن ہے"۔ [2]

مولانا کا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ سرسید لکھتے ہیں "ان سب کمال و فضیلت پر خلق و حلم احاطۂ تقریر سے افزوں ہے"۔ [3] مولانا نے ۱۲۶۷ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کا مزار مقبرہ شاہ ولی اللہ میں ہے۔ [4] آپ کے صاحبزادے مولوی محمد یعقوب صاحب (المتوفی ۱۳۰۲ھ) نے مدرسۃ العلوم

---

[1] تذکرۃ الخلیل (مطبوعہ میرٹھ) ص ۹۔ [2] و [3] آثار الصنادید ص ۱۲۷ [4] واقعات۔ ج ۲ ص ۵۸۴۔

دیوبند کے ابتدائی دور میں صدر مدرسی کی خدمات انجام دیں۔ آپ کی صاحبزادی بی مبارک النسار مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی والدہ تھیں [1]

میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی | سید نذیر حسین صاحبؒ، حدیث کے مشہور عالم تھے (۱۲۲۰-۱۳۲۰) انھوں نے مولوی عبدالخالق، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین سے استفادہ کیا تھا۔ حدیث و تفسیر شاہ محمد اسحاقؒ سے پڑھی تھی، تیرہ برس تک اُن کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کئے تھے۔ سرسید لکھتے ہیں "مولوی صاحب بہت صاحب استعداد ہیں۔ خصوصاً فقہ میں ایسی استعداد کامل بہم پہنچائی ہے کہ اپنے نظائر و اقران سے گوئے سبقت لے گئے ہیں" [2] لیکن فقہ سے اُن کی دلچسپی زیادہ عرصہ تک نہ رہی۔ ۱۲۷۰ھ کے بعد آپ نے قرآن و حدیث کے درس کے علاوہ کسی طرف رُخ نہ کیا۔ انھوں نے فقہ حنفی کی تقلید کے بجائے قرآن و حدیث سے براہِ راست استفادہ کرنے پر زور دیا۔ اور اس طرح سے ایک نیا سلسلہ اہلِ حدیث کا شروع ہوا۔ "اس سلسلہ میں توحید خالص اور رد بدعت کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کے بجائے براہِ راست کتب حدیث سے بقدرِ فہم استفادہ اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ پیدا ہوا" [3]

مولانا سید نذیر حسین صاحب کے ذریعہ سے اہلِ حدیث کے سلسلہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ مولوی بشیر الدین صاحب نے لکھا ہے "سارے ہندوستان اور نیز ہندوستان کے باہر بھی یمن، نجد، سنوس، اندلس، افغانستان، کشمیر، خراساں، کاشغر، ہرات، جاوا تک آپ کے ہزارہا شاگرد پھیلے ہوئے ہیں" [4] ہندوستان میں تو ان کے شاگردوں نے گوشہ گوشہ میں پھیل کر اپنے طریقہ کی اشاعت کی۔ [5]

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۱۱۰-۱۰۹۔ [2] آثار الصنادید ص ۱۱۰۔ [3] حیاتِ شبلی ص ۴۶-۴۵
[4] واقعات ج ۲ ص ۲۵۹۔ [5] اُن کے بعض مشہور تلامذہ کیلئے دیکھئے حیاتِ شبلی۔ ص ۴۷-۴۶۔

مولانا کا یہ معمول تھا کہ روزانہ نمازِ فجر کے بعد مولانا عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمۂ قرآن کے دو تین رکوع سب کو پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے بعد حدیث شریف کا درس شروع ہوتا تھا۔

مولانا نے چند رسالہ اپنی تصانیف میں چھوڑے ہیں۔ معیار الحق، واقعۃ الفتوی، واقعۃ البلوی، ثبوت الحق الحقیق، فلاح الولی باتباع النبی، ابطال عمل المولد، وغیرہ۔

مولانا کا اخلاق بہت اچھا تھا۔ سارے شہر میں اُن کی عزت تھی، لوگ میاں صاحب کہتے تھے اور اُن سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۳۲۰ھ میں آپ نے وصال فرمایا اور شیدی پورہ کے قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔ ان کی سوانح "الحیاۃ بعد المماۃ" اور "حسرت العالم بوفاۃ محدث العالم" ہیں۔

مولوی محبوب علی صاحبؒ | مولوی محبوب علی صاحبؒ علم حدیث و فقہ کے بڑے جید عالم تھے، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے تحصیلِ علم کیا تھا۔ اور اُن کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مسائل جزویہ پر مہارت تھی۔ ۱۲۸۰ھ میں وصال فرمایا اور چونسٹھ کھمبہ بیرون ترکمان دروازہ سپرد خاک کئے گئے[1]

مولوی نصیر الدین صاحبؒ | مولوی نصیر الدین صاحبؒ مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے شاگرد تھے علوم دینی میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ مرجع عوام و خواص تھے۔ بادشاہ کا تقرب حاصل تھا۔ لیکن اعلائے کلمۃ الحق میں نہایت بے باک تھے۔ جب بالاکوٹ کے تاریخی مقام پر سید صاحب شہید ہوگئے تو اُن کی جماعت کے باقی ماندہ لوگوں نے آپ ہی سے بیعت کی تھی۔[2]

مولوی نصیر الدین صاحب میں اگر ایک مجاہدانہ اور سرفروشانہ جذبہ کارفرما تھا تو دوسری طرف عبادت کا یہ عالم تھا کہ چہرۂ مبارک پر کثرتِ گریہ سے سیاہ نشان پڑ گئے تھے[3]۔ ان کا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ مریدوں اور شاگردوں تک سے انتہائی اخلاق سے پیش آتے

---

[1] مزارات اولیاء دہلی ص ۱۶۵ [2] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۲۵۴۔ [3] شمائم امدادیہ ص ۲

ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے والد ماجد علیل ہوئے اور حاجی صاحب کو تیمارداری کیلئے وطن طلب کیا گیا۔ حاجی صاحب مولانا سے اجازت لینے کے لئے گئے۔ جب حاجی صاحب چلنے لگے تو مولانا مدرسہ شاہ محمد اسحٰق سے ان کے مکان تک جو کافی دور تھا رخصت کرنے کے لئے آئے۔ حاجی صاحب نے ہر چند روکا لیکن قبول نہیں کیا۔ جب واپس جانے لگے تو حاجی صاحب بپاسِ ادب پہنچانے کے لئے مدرسہ تک آئے۔ حاجی صاحب جب واپس ہونے لگے تو مولانا پھر ان کو رخصت کرنے کے لئے مکان تک آئے۔ تین مرتبہ اسی طرح ہوا تو حاجی صاحب اس مجسمۂ اخلاق کے قدموں پر گر پڑے [1]

مولانا آخون شیر محمد | مولانا آخون شیر محمد، افغانستان کے رہنے والے تھے۔ تحصیلِ علم کے لئے دہلی آئے تھے۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے تلمیذ رشید اور شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے ہم سبق تھے۔ توکل و قناعت کا یہ عالم تھا کہ ایک نیمہ میں گذر اوقات کرتے تھے۔ حکیم غلام حسن خاں کے مکان پر قیام رہتا تھا۔ اور وہیں شب و روز درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ فیضِ باطن شاہ غلام علی سے حاصل کیا تھا۔ آخر عمر میں درس و تدریس کا سلسلہ بند کر دیا تھا اور صرف قرآن پاک کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ آپ اپنے شاگردوں کو تقوی کی خاص ہدایت فرمایا کرتے تھے جو کوئی آپ کی مجلس میں غیبت کرتا اس پر جرمانہ کیا جاتا تھا [2]

آخر عمر میں ہندوستان کو دارالحرب خیال کر کے یہاں کی سکونت کو مکروہ تصور کرنے لگے تھے۔ اور حرمین الشریفین کی طرف چل دیئے تھے۔ لیکن ابھی ملتان تک ہی پہنچے تھے کہ داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

آپ کے صدہا خلفا تھے[3]۔ میر طالب علی المشتہر بہ مولوی عبدالغفار، سید عبداللہ مغربی،

---

[1] مزارات اولیاء دہلی ص ۱۵۱۔ [2] [3] مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۳۵۸۔

ملا پیر محمد، ملا گل محمد، مولوی محمد جان، محمد عظیم، شیخ خلیل الرحمن وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

ان علماء کے علاوہ اس زمانہ میں دلی میں اور بہت سے بزرگ تھے جن کے علمی تبحر اور اور تقدس نے دلی کو رشکِ بغداد و مصر بنا دیا تھا۔ ملک کے گوشہ گوشہ سے شمعِ علم کے پروانے دلی میں جمع ہوتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنت کی تجہیز و تکفین کے آخری منازل طے ہو رہے تھے۔ علمی دنیا میں رونق آ رہی تھی۔ مولوی عبدالخالق صاحب کے علم و فضل تقویٰ دیانت کا تمام ملک میں شہرہ تھا۔ مولانا کریم صاحب، مولانا فضل امام صاحب، مولانا فضل حق صاحب، مولانا نورالحسن صاحب، مولوی کرامت علی صاحب، مفتی رحمت علی خاں عرف میر لال، مولوی امان علی، مولوی محمد جان، حاجی محمد، ملا سرفراز اپنے اپنے فن میں یگانہ تھے۔ ان کی موجودگی نے دلی کو زوال کے زمانہ میں وہ عظمت و شوکت بخشی تھی کہ ہندوستان کی عزت و شہرت کو چار چاند لگ گئے تھے۔ سارے ملک کا ادبی مرکز دلی تھی یہاں علم و عرفان کی پیاس بجھانے والے یہ جید علماء اپنے اپنے فن میں وحیدِ عصر اور یگانۂ روزگار تھے۔

مذہبی اور روحانی دنیا سے قطع نظر سینکڑوں شعرا، خطاط، اطبا، دہلی میں موجود تھے۔ مومن و غالب کی دلی، غدر سے پہلے ہی کی دلی تھی۔ قاری قادر بخش، حافظ احمد، قاری محمد بیگ کی دلکش قرارت، غدر سے پہلے ہی، دلی کے منبر و محراب نے سنی تھیں۔ اب تو ؎

لے سکے داغ آئے گا سینہ پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

(حالی)